باب ۱۳

عُرس کی معنویت

شبِ قدر است طے شد نامہ ہجر
"سَلامٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْر"

عروسی

یہ شب وصل ہے، صبح تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اور الوہیت کا طلوع ہے۔

طلوعِ الوہیئش مطلع الفجر　　سلام ھی حتی مطلع الفجر

اب منتہائے کمال پر عروسی ظہور میں آتی ہے۔ رب کے نزدیک پہنچ کر عرویت ہوتی ہے۔ منتہائے کمال پر جا کر اپنے رب کی بقا پا لیتا ہے۔ زہے نصیب وہ تجلیات سے واصل ہو چکا ہوتا ہے۔ اب اس واصل بالذات کی تجلی ہی بتاتی ہے کہ ذات کی معنویت کیا ہے۔ ورنہ یہ انسان اور وجود میں رہ کر ذات ادراک کر لے، ناممکن بات ہے۔ ان تجلیات میں ہی ذات کا ادراک ممکن ہے۔ عروسِ ذات میں ہی ذات کی تجلی ہے۔ ان تجلیات ہی تک نظر رکھیں تو یہ تجلیات بھی اس عروسِ ذات کا حجاب ہیں۔ اور حجاب کا پردہ ظرف کے مطابق ہی ہٹتا ہے۔ حق، لاوجود ہے۔ آئینہ ہی میں اس کی تجلی ہے۔ آئینہ وجود ہی حقیقت ہے۔ اس لیے وجود کو حقیقت کہتے ہیں۔ اور حقیقت ہی آئینہ ہے حق کا۔ یہ حقیقت، حقیقتِ محمدیؐ ہے جس کی تابانی کائناتِ وجود میں ہے۔ "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" حقیقتِ محمدیؐ کے نکتہ پر غور کریں۔ شمسِ حقیقت ایک ہی ہے۔ اسی کی تجلی ہر وجود پر

ہے۔ اس کی تجلی سے چاند روشن ہے۔یا یوں کہہ لو کہ ہر تجلی اسی ایک شمسِ حقیقت کی تجلی ہے۔اور چاند خواہ کسی رات کا ہو، کسی زمانے میں ہو، اسی ایک شمس کا آئینہ دار ہے۔ اور جب کوئی چاند بن جائے تب ہی اس کا شق القمر ہوتا ہے اور حقیقتِ محمدیؐ نصیب ہوتی ہے۔

اب عُرس کی بات یہ ہے کہ سمندر میں بھی خاص اوقات میں مدّ و جزر آتے ہیں۔ چودھویں رات کے چاند میں بڑی موجیں اٹھتی ہیں۔تماشہ دیکھنے جائیں، کنارے کھڑے ہوں تب بھی ایک موج سمندر کی آتی ہے۔ بھاگنے کی کوشش کریں تب بھی موج آ کے لپیٹ لیتی ہے اور بھیگ جاتے ہیں۔رحمت کی شان یہی ہے۔عرس کے موقع پر بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔یوں ملنگوں کی ہر شب، شب برات ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو چلتے پھرتے گنبد اور مزار ہوتے ہیں کیونکہ ان کے اندر گوری لیٹی ہوتی ہے۔ یہ تو رہے چاندنی راتوں والے۔یوں عام لوگوں کے لئے چاند مہینے میں ایک بار چودھویں پر آتا ہے۔ اورسورج اپنے محور پر گردش کرتا ہوا سال میں ایک بار اسی مقام پر آتا ہے۔سورج نورِ نبوت کی نشانی ہے۔عرس کا موقعہ بھی سال میں ایک بار آتا ہے۔ اس لئے سورج کی مثال لیتے ہوئے یہ صاحبانِ عرس بھی ”رحمۃً لِّلعلَمِین“ کے سائے ہوتے ہیں۔ اور خواہ عرس کسی کا ہو رحمت کا سایہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے عرس کے موقعہ پر رحمت کا فیض عام ہوتا ہے۔

عام لوگ عرس کے موقعہ پر کوئی طلب، کوئی غرض، کوئی آرزو، کوئی شکایت لے کر جاتے ہیں۔ اسی لیے دیدار کیسے ہو۔ جب تک صحیح معنوں میں طلبِ دیدار نہ ہو کیا نظر آئے۔ یہ رمز اور راز کی بات ہے۔ چاہے عُرس کسی کا ہو دیدار ایک ہی کا ہوتا ہے۔مجنوں کو لیلیٰ کا دیدار ہوتا ہے۔ ایک دیکھنا ہی حقیقی توحید ہے۔ اللہ کو

ایک کہہ لینا کیا معنی رکھتا ہے۔ کسی وجود کو ایک کہو، محمدؐ کو ایک کہو، اور ایک دیکھو۔ یہ توحید کی شراب سوندھی بھی ہے، کڑوی بھی۔ اس شرابِ توحید کی چاشنی بھی لگ جائے تو ساری دوئی مٹ جاتی ہے۔ بات بس نسبت کی ہے۔ جب نسبت پکی ہوگئی تو ایک ہی کو دیکھے گا۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بھی رویتِ شیخ میں ہی حقیقی معنوں میں ہوتا ہے۔ البتہ اس طالبِ دیدار کے لیے آنکھوں میں ایسی جلن ایسی سوزش تو ہو جیسی کہ حضرت ابراہیمؑ کی آگ میں تھی۔ اس لیے جو ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں نہ کودے اس کی طلبِ دیدار خام ہے۔ اور جس نے دیدار کیا، عروس کا چھب جس نے دیکھا وہ کہہ سکتا ہے کہ رب تعالیٰ نے صحیح فرمایا حسنِ لیلیٰ عکسِ رُخسارِ من است۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ روپ کسے کہتے ہیں۔ حسنِ رخسارِ دوست کیا ہے۔ قہریتِ حسن کیا چیز ہے۔ جلوۂ طور کیا ہے۔ انوارِ محمدیؐ کی تابانی کیا ہوتی ہے۔

اسی طرح عروسی ایک حالتِ برزخ ہے۔ یہ عروسی کی کیفیت بس اپنائی ہی جاسکتی ہے الفاظ سے اس کا بیان کب ممکن ہو۔ عروس سے ہی پوچھو۔ عروس بن کر ہی دیکھو کہ عروسی کیا چیز ہے۔ یہ عروسی بھی اس وقت تک ہی ہوتی ہے جب تک رات نہ گذر جائے، اس کے بعد دلہن کہلاتی ہے۔ اس عروسی کے دو وقت ہوتے ہیں ایک وہ جب بیاہنے جاتا ہے کسی کو اور دوسرا جب دنیا سے جاتا ہے۔ اس بیاہ والی عروسی میں تجلی نہیں ہوتی کیونکہ مادیت کے حجاب ہوتے ہیں۔ مگر دنیا سے رخصت کے وقت عروسی میں تجلی ہے۔ یہاں دنیا میں دلہن بھی سجائی جاتی ہے اور دولہا بھی سجتا ہے۔ وہاں دلہن بھی سجتی ہے اور گھر بھی۔ پھر جیسے اس دنیا میں بارات سجتی ہے۔ دوستوں احبابوں کی دعوت کا بھی تعین کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب حق جلّ مَجدُہٗ سجائیں، سنواریں، ساری چیزیں دکھائیں کہ مہمان کو بلایا

ہے۔ مہمان کی خوب تواضع کریں اور حجاب ہٹا کر اس آئینہ میں یہ دیکھیں کہ ہم کیسے ہیں اور اس تجلی سجانۂ کی اس آئینہ میں کون تاب لا سکتا ہے۔ اس رسم عروسی میں جب جلوے کی رسم ہوتی ہے، آرسی مصحف ہوتا ہے کہ میں تجھے دیکھ لوں تو مجھے دیکھ لے، تو اس نشانی میں حقیقت کی جھلک کسی کسی کے نصیب میں ہوتی ہے۔ کاملین کے لئے معراج ہے۔ ''مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی'' نہ آنکھ جھپکی، نہ نظر ہٹائی، ٹکٹکی بندھی رہی، اپنے نے اپنے کو دیکھا۔ پھر سوال جواب ہوں۔ ''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی'' تو انسان کی کیا طاقت کہ بیان کرے ملائک مقرّب بھی اس مقام سے پرے رہ جاتے ہیں۔ (سورۂ نجم)

صاحبِ عُرس کی آمد

یہ تو رہا ادھر کی عروسی کا انداز۔ اُدھر کے عرس کی بات کچھ ایسی ہوتی ہے کہ جب عرس والے سجادہ نشین اپنے یہاں سہاگ رچاتے ہیں تو وہ صاحب عرس بھی بناؤ سنگھار کر کے آتے ہیں۔ اور جو کسی کے گھر آتا ہے خالی ہاتھ نہیں آتا۔ اس کے پاس وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کے صرف کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور ایسا اختیار کہ مختار ہیں، چاہے جس کو دیں۔ یہ حق الخدمت ہے جو وہ دیتے ہیں۔ ان صاحبِ مزار کو مُردہ مت جانو۔ روح کو اجازت ہے جانے اور آنے کی۔ وہ ضرور تشریف لاتے ہیں۔ جن کے پاس آتے ہیں اسی کو دکھائی دیتے ہیں۔ پھر جب محبت میں کوئی قدم بوسی کرے تو اس کے دل سے پوچھو کہ یہ کس مستی کے عالم میں ہوتا ہے۔

اگر بینم شبِ ناگہہ من آن سُلطانِ خوبان را
سرم در پائے وے آرم فدا سازم دل و جان را

اس جذبہ محبت میں کیسی بدعت کیسا شرک۔ محبت میں کوئی دوسرا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔ دوئی کا تصور بھی کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسی محبت کبھی رائگاں نہیں جاتی۔ اس سے جو چاہو کام لو، نفس کا یا قلب کا۔ اس لیے شوق والے کی کیفیت اپناؤ تو اچھے رہو گے۔ کسی کی مت سنو۔ محبت ہوتی ہی صادق اس وقت ہے جب یہ شرک کرے۔ اسی لیے خسروؒ نے کہا تھا۔

خلق می گوید کہ خسرو بُت پرستی می کند
آرے آرے می کنم با کارِ عالم کار نیست

یہ قلندروں کا کام ہے۔ یہ محرموں کی بات ہے۔ نامحرموں کی کیا مجال کہ یہ نیاز مندی پیش کریں اور قبول ہو۔ سورہ رحمٰن میں ایسے ہی لوگوں سے خطاب ہے کہ ہماری کن کن نعمتوں کا اعتراف نہ کرو گے۔ قربان جائیں اس ادا کے، اس کرم کے، کہ فرمایا جارہا ہے کہ ہمارا شکریہ ادا کرو۔ یہ بات اپنوں سے ہی کہی جاسکتی ہے کیونکہ ان کا شکریہ ہی مقبولِ نظر ہے۔

مرکزِ حیات

تو یہ عرس کا موقعہ پالینا ایک خوش نصیبی، خوش بختی ہے۔ اس لحاظ سے کہ قدم بوسی کا موقعہ نصیب ہوتا ہے۔ اور یہ تشریف لانا کچھ ایسا ہے جیسے کہ سمٹ کر ایک نقطہ پر آتے ہیں۔ یہ جو لوگ عرس کا ایک دن مقرر کر کے جمع ہوتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی ایک جذبہ لے کر آتے ہیں تو اس کلّی جذبہ کی وجہ سے رحمت کے بادل ضرور آتے ہیں۔ جیسے کہ درختوں کا جھنڈ بارانِ رحمت لاتا ہے۔ یا حاجزی رحمت کو سموتی ہے۔ یہ صاحبانِ مزار کے مزاروں اور محفلوں پر انوار کی

بارش اسی نوع کی بات ہے۔ یوں مزاروں کے اندر ان کے جسم کا آخر کوئی ذرّہ تو موجود ہوگا۔ اسی ذرّہ کو لے لوتو جسم کا کوئی ذرّہ اس جسم کے وجود کا آئینہ دار ہے۔ ہر ذرہ کی معنویت ایک ہے۔ اس لیے ذرّہ ہی مرکز بن جاتا ہے، اس وجود کا۔ اور لوگوں کے کلی خلوص کی وجہ سے اس ذرہ کی روح خواہ کتنی ہی پھیلی ہو سمٹ کر وہاں آجاتی ہے۔ یہ بات چلّہ گاہوں یا عرس کی محفلوں کی ہوتی ہے کہ لوگوں کے ذکر کی شدتیں، ان کے جذبۂ شوق کی رعنائیاں تجلی انوار کا باعث ہوتی ہیں اور وہ ضرور اپنے لطف وکرم سے نوازتے ہیں۔ پھر جب میخانہ پر رحمت کی گھٹا چھائی ہو، مدینہ کی صبا آئی ہوتو ارواحِ مقدّسہ کا نزول کیوں کر نہ ہو اور انوار و رحمت کی بارش صاحبانِ محفل پر کیوں کر نہ ہو، یہ لطافتوں، شدتوں اور عشق کی بات ہے۔

یوں اچھے اچھے مزاروں پر جو دنیاوی لوگ ہوتے، ہیں وہ لطافتوں اور اداؤں کے پہلو کو چھوڑ کر، ظاہر داری کے طور طریق ایسے پھیلا دیتے ہیں کہ ایک خول سا صاحبِ مزار پر چڑھا دیتے ہیں۔ سورج کی روشنی کو اپنے حجابات سے ڈھک دیتے ہیں۔ نہ ان صاحبانِ مزار کی حقیقتوں کو پاتے ہیں، نہ ان کی اسپرٹ کو پکڑتے ہیں یہی کچھ حضرت سلطان باہوؒ، لعل شہبازؒ، بری امامؒ پر دیکھا۔ اس حالت کو دیکھ کر یہی رنج ہوا کہ دنیا میں وہ لوگ کیا تھے، اور اب جو لوگ مزاروں پر کر رہے ہیں وہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے بزرگانِ دین تو وہ ہیں جن کی صحیح قدر و قیمت پہچاننا بڑا مشکل ہے۔ یہ مرکزِ ذات ہیں۔ گو ظاہر میں انہوں نے صفاتی رنگ لے لیا ہوتا ہے اور اس کا نشر کرنے لگتے ہیں۔ مگر ان کی ذات کو بھی اپنانا ہے۔ جو ان کی اصل حقیقت ہے۔ اور حقیقت ایک ہی تو ہے۔ اس میں دوئی کہاں، تفرقہ کہاں، کہ یہ ایسے تھے اور وہ ایسے۔

تاجؒ بابا بھی اسی طرح مرکزِ ذات تھے۔ مگر ظاہر میں بھی انہوں نے

جذب ہی کا پردہ اوڑھا تا کہ ظاہر بینوں کی نظر ظاہر تک ہی محدود ہو کر نہ رہ جائے، اور ظاہر سے قطعِ نظر کر کے حقیقتِ باطن تک رسائی کر سکیں۔ اس طرح مجذوب یہ کرم کرتا ہے کہ حق کے متلاشیوں کو ظاہر داری کے خول سے اوپر نکال کر، واصلِ ذات کر دیتا ہے۔ اور اصل رمزِ حیات تو واصل بالذات ہو جانے میں ہے۔ وحدتِ وجود کو پا جانے اور اپنانے میں ہے۔

وحدتِ وجود کے رمز کو پالے تو ظاہر کے خول اتر جاتے ہیں اور ہر قسم کی دوئی مٹ جاتی ہے۔ اس طرح انسان اپنے تخیل، علم اور عقیدوں کے حجابات میں گھِرا نہیں رہتا بلکہ تشنگی بڑھتی ہی رہتی ہے۔ اور یہ طلب اسے راہِ مستقیم ''اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن'' پر لا کھڑا کرتی ہے۔ پھر ایسے پہ یہ وہم بھی نہیں آتا کہ کاملین پردہ فرما گئے ہیں۔ یا ان کے مقامات کیا کیا ہیں۔ وحدت کی آنکھ ایک ہی حقیقت دیکھتی ہے۔ اسے ہر روشن چراغ سے، نورِ محمدیؐ کی تابانی نظر آتی ہے۔ اب کہیں وہ صحیح معنوں میں ''اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کہتا ہے۔ کیونکہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ دیکھ لینا بھی ناکافی ہے۔ آدھی بات ہے۔ جب تک اپنے میں سے یہ تابانی نشر نہ ہونے لگے، حقیقت کو کیا پا سکتا ہے۔ پھر اس کے آگے ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ'' ہے۔ یہ اس کلمہ گو کی بات ہے جو خود کلمۂ توحید بن چکا ہو۔ یہ اس مردِ مومن کی بات ہے کہ جب وہ چلتا ہے تو اس کے پیروں کی گرد اڑ کر تارے بن جاتے ہیں۔ اور اسی سے جوتشی تقدیریں بتاتے ہیں۔ ہم نے بھی مقدرات کو یار کی چال پر رقص کرتے دیکھا ہے۔ لوگ وحدۃ الوجود کا کیف ہے۔ عقل کی رسائی اس رمز تک کہاں۔ لوگ وحدۃ الوجود کو عقلی دلائل سے پیش کرتے ہیں۔ ثبوت میں قرآن کی آیت ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ'' کہتے ہیں۔ لیکن نہ اس کے کیف میں آنے کی کوشش کرتے ہیں نہ یہ ہو جانے کی۔ یوں عقل کی سطح تک لو تو

اللہ ہی کیا۔ مکان زمان کولو وہ بھی تو ''ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِن '' ہے۔ ان میں بھی تو ظاہر باطن چھپا ہے۔ بات دراصل لطافتوں کی ہے۔ ان لطافتوں کو اپنانا ہے۔ زبانی یا تخیلی حد تک کی یہ باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ عقل کی گرفت میں لا کر قلب کے حضور میں انہیں پیش کرتے ہوئے غوطہ زنی کی بات ہے۔

نورِ محمدیؐ

یہ وجدان اور شدتوں کی دنیا ہے۔ مادیت سے قطع تعلق ہو کر معنوی حقیقتوں کا اپنے اندر نکھار ہے۔ مثال کے طور پر لطافتوں کے فہم کے لیے حسن کی مثال لیں۔ حسین مٹی کی چیز ہے۔ یَبْقٰی وَجْہُ باقی ہے۔ اس حسن کو لو۔ اس کی لطافتوں کو بغیر حسین کے وجود کے اپناؤ۔ اس حسنِ مجرد کو حیات جاوید ہے۔ اسی کے لیے کہا گیا ہے ''کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَان''۔ اس حسنِ مجرد کی تابانی سے ہی حسین کا حسن ہے۔ یہ حسنِ مجرد نورِ محمدیؐ ہے جو ذرہ ذرہ میں مختلف انوار میں عیاں ہے۔ مختلف نوعیّتوں میں اس کا اظہار ہے۔ عروسِ ذات میں اس حسن مجرد کے انوار کی تابانی دیکھو۔ مٹی کے جسم پر کیا نظر۔ روپ دیکھو۔ چھب دیکھو۔ یہ حسنِ باطن اَولیائے اُمّت میں ہے۔

ظاہر میں تاج بابا کالے، سیاہ رنگ، برص کے داغ۔ کوئی چاہنے والا کہتا کہ گوری تو دیکھو تو عقل والے اسے پاگل کہتے۔ مگر کسی خوش نصیب کی آنکھ ان آنکھوں سے مل جاتی تو گوری نظر آجاتی تھی۔ وہ تاج باباؒ کی آنکھوں میں شمسِ حقیقت کی تجلی، رحمۃ اللعالمینی انوار کی کی تابانی دیکھ لیتا تھا۔ ایسی آنکھیں جو یہ انوار دیکھ سکیں، تیسری آنکھ کی بات ہے جسے روح کی کھڑکی کہتے ہیں، اور جس کا مقام ان دو آنکھوں کے درمیان پیشانی میں ہے۔ یہ لطافتوں کی باتیں ہیں۔

اسی طرح اسلام کے حسن اور فروغ کو دیکھو جس کو دوام ہے۔ بہار کے حسن کی نمود کلی کلی، ذرہ ذرہ میں ہوتی ہے، خواہ خشک پتیاں چاروں طرف بکھری پڑی ہوں۔ اس نمود کو دیکھنے والے کی نظر ماضی پر نہیں جاتی۔ خشک پتیوں اور ابتلاؤں پر نہیں اٹکتی بلکہ باطنِ جمعیت میں ان خوبیوں کو دیکھتی ہے جو ابھر رہی ہوتی ہیں۔ اس محرک قوتِ حیات کو دیکھتی ہے جو اسلام کی میراث ہے، اور جس کے سہارے پت جھڑ میں بھی یہ شجرِ امت اپنی حیات برقرار رکھتا ہے۔ اسے ربط ملت کہہ لو یا ایمان کی روشنی، مگر یہ سب بات رحمۃ اللعالمینی کا فیضان ہے۔ جو ایک سلسلۂ جاریہ ہے اور اولیائے امت کے سہارے اس کا ہر زمانہ میں نشر ہے۔

رحمۃ للعالمینی

اس رَحْمَۃَ لِلْعَالَمِیْنِی کا مرجع کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ فقراء کی ابتدا بھی یہی ہے۔ انتہا بھی یہی ہے۔ ان کی نظر ظاہر پر نہیں ہوتی۔ وہ سیرِ جہاں کے قائل نہیں ہوتے۔ آفاقی راستے سے کبھی کے گزر چکے ہوتے ہیں۔ وہ باطن کے غواص، انفاسی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ سیرِ جان کی بات ہے۔ بڑی کٹھن چیز ہے۔ دونوں دنیائیں بیچ کر کہیں یہ سودا سر لگتا ہے۔ یہ لوگ ظاہر باطن، مکے مدینے کے فرق میں نہیں پڑتے۔ ان کے لیے مکے مدینے کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوتا نہ کوئی فصل۔ ان کے لیے مکہ ابتدا ہے، مدینہ انتہا۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے مکے میں اور قیام کیا مدینہ میں۔ یہ لوگ تو صرف محبوب کے طالب ہوتے ہیں۔

اس عروسِ ذات کی طلب ہی ان کی فقیری کا ماحصل ہے۔ یہی لوگ صحیح معنوں میں کسی عُرس کی معنویت کو اپناتے ہیں۔ یہی لوگ عرس کے موقعہ پر موج

میں آ کر اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کا جواب قَالُوْا بَلٰی دے لیتے ہیں۔ یہی لوگ اس مادیت اور کائنات کے جھول سے نکل کر خود آ گہی کے نکتہ کو پکڑ چکے ہوتے ہیں۔ اس وحدۃ الوجود کے انداز میں وہ عرس، عروسی کی برزخ میں خود ہو کر عروسِ ذات کا روپ بھی دیکھتے جاتے ہیں اور خود بھی عروسِ ذات کی چھب دکھلانے لگتے ہیں۔ یہ ہے وہ رحمۃ للعالمینی انداز کہ ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل۔

عرس کے موقعہ وہ وقت ہوتا ہے جب شمسِ حقیقت اور ماہِ مبین ایک ہی لائن میں آ کر زمینِ وجود پر کشش پذیر ہوتے ہیں۔ اور بحرِ حقیقت کا پانی افراد کے باطن میں اعلیٰ اقدار کی جانب اٹھتا ہے۔ شمسِ حقیقت کے سائے ماہِ مبین کی کشش اب کئی گناہ بڑھ چکی ہوتی ہے۔ اب اس آئینۂ ذات کا وجود اس عالمِ خلق میں رحمۃ للعالمینی انوار لئے ہوتا ہے اور اسی سطح سے امت کے کام ہوتے ہیں۔ انوار ہائے نبوت کے وہ چار چراغ ظاہر میں خلافت کے، اور باطن میں پنجتن کے تو ہمیشہ روشن ہیں۔ پانچواں چراغ، نورِ محمدیؐ صاحب وقت کو جلانا ہوتا ہے کیونکہ وہی مرکز ذات ہوتا ہے۔ اور مرکز ذات بنتا ہی ہے اسی حقیقتِ محمدیؐ کو اپنا کر۔

پانچواں چراغ

یہ چراغ چونکہ باطن میں جلانا ہوتا ہے اس لیے ظاہر میں اس کی زبانی تائید یا وصف و توصیف بیان ہو نہ ہو، خوش الحانی سے منقبت پڑھی جا سکے یا نہ پڑھی جا سکے، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ وجودی نشانی کے طور پر بھی اس چراغ کا جلانا کوئی آسان بات نہیں ہوتی۔ عشق میں اپنا سب کچھ جلا چکنے کے بعد بھی اس زندہ مزار، اس مقدس قربانی کو اس شعلہ کی تپش کچھ نہ کچھ لپیٹ لیتی ہے۔ یہ قربانی اور نیاز کی مقبولیت کی نشانی ہے۔ یہ دنیا میں پہلی نیاز، ہابیل کی نیاز کی مقبولیت کی

یہی نشانی تھی۔ جب قربانیاں ذات کے حضور میں پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دی گئیں تھیں اور مدعائے باطنی کا اظہار عالمِ امکان میں ہوا تو ہابیل کی قربانی کو آسمانی بجلی نے لپیٹ لیا اور قابیل کی قبول نہ ہوئی۔ اسی حسد میں پہلا انسانی خون ہوا۔ اور قابیل نے ہابیل کو مارا۔

یہ موقعہ اس دنیا میں پہلی عروسی کا موقعہ بھی تھا۔ ان نشانیوں کے پیچھے رمز در رمز ہیں۔ زمانے اور وقت کے لحاظ سے بات سمجھنا ہوتی ہے۔

عروسِ اُمم

عرس کے موقعہ پر جہاں عروسِ ذات سے نسبت ہوتی ہے۔ وہاں عرسِ اُمم کی شان بھی اسی نسبت کی تابانی کے مطابق درخشاں ہوتی ہے۔ اب عروسِ ذات کا روپ عروسِ امم کے رخسار سے چھب دکھلاتا ہے۔ یہ سہاگ کی رات ہوتی ہے۔ یہی امت کی شبِ قدر ہے۔ اس عروسی کا رنگ بارات پر بھی کچھ اس طرح چڑھ جاتا ہے کہ امتی بھی عروسی کے اس نشہ میں مست ہو کر اُمّتی اُمّتی پکار اٹھتے ہیں اور "سَلامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْر" کی شان زمانہ پر چھا جاتی ہے۔

پھر سے باراتِ اُمم دھوم سے اٹھے گی ولی
قسمتِ ملّتِ بیضا کی سحر دیکھیں گے

شہید

شہید، خدا کی راہ میں اپنے کو فنا کر دیتے ہیں۔ اسلام کی خاطر، سرکارؐ کی خاطر اپنے کو فنا کر دیتے ہیں۔ شہید خفی ہو یا جلی، باطنی طور پر دونوں عشق میں رنگے ہوتے ہیں۔ ولایت چشمِ زدن میں حاصل ہوجاتی ہے۔ شہید حرمت و

ناموسِ خدا و رسول پر اپنی جان قربان کر دیتے ہیں۔ "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" پر عمل پیرا ہو کر جیتے جی فنا حاصل کر لیتے ہیں۔شہید، شہادت دینے والے کو کہتے ہیں۔ گواہ کو دیکھ کر گواہی دیتے ہیں، یہی ولایت ہے۔شہیدِ خفی، گواہی دیتے ہیں، پکارتے ہیں، راز میں رکھ کر اخفاء میں۔ جو رابطۂ ذات و صفات رکھتا ہے، اس کو شہید کہتے ہیں۔حضورِ اکرمؐ محمود بالذات و الصفات ہیں۔محبوبیت پر فائز ہیں۔ اس لیے محبوبیت کی بنا پر شہادت نہیں ہو سکتی تھی۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا منتہائے مقصود خُلقِ عظیم ہے۔حضورِ اکرمؐ سے تعلق ہے۔ اسی لیے فرمانِ باری ہوا۔ ہم نے چھوڑ رکھا ہے اس کو آخر میں آنے والوں کے لیے۔ بہت سوں کے لیے۔ "سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ" حضرت اسمٰعیل کی قربانی چھوڑ رکھی گئی۔ اسی لیے اس کا فدیہ ذبحِ عظیم ہوا۔حضرات حسنؓ، حسینؓ دونوں شاہد تھے۔ ایک سے شہادتِ خفی کا راز پورا کیا گیا دوسرے سے شہادتِ جلی کا۔شہید کے معنی عہدِ مکمل قرار پائے۔ جو اللہ کے رنگ میں رنگ گئے وہ حسنؓ حسینؓ ہیں۔شہیدِ خفی اور شہیدِ جلی مرتے نہیں۔ دوسروں کو بھی فیضیاب کرتے ہیں۔ اسی لیے سورۃ آلِ عمران میں ارشاد ہے، وہ لوگ جو ہماری راہ میں فنا ہوئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ زندہ ہیں۔رزق بھی ملتا ہے۔ الوہیات، عطیاتِ فضل بھی شامل ہیں اور وہ خوش وقت کرتے ہیں ان لوگوں کو جو نہیں ملے ان سے مگر پیچھے (یعنی وہ فیضیاب کرتے ہیں، اسباب میں نہیں ملے) اللہ کے فضل اور نعمت سے جو ان کے پاس ہے اس سے بعد کے لوگوں کو فیضیاب کرتے ہیں۔ اور اللہ ضائع نہیں کرتے ان کے اجر کو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَللّٰھُمَّ   اِنَّا نَسْئَلُکَ   اِیْمَانًا مُّسْتَقِیْمًا   وَفَضْلًا دَائِمًا

اے اللہ   ہم تجھ سے مانگتے ہیں   قائم رہنے والا ایمان   اور دائمی فضل

نَظْرًا رَحْمَۃً   عِلْمًا نَافِعًا   عَقْلًا کَامِلًا   قَلْبًا مُنَوَّرًا

رحمت کی نظر   نفع بخشنے والا علم   عقل کامل   نور بھرا دل

تَوْفِیْقًا اِحْسَانًا   تَوْبَۃً نَصُوْحًا   صَبْرًا جَمِیْلًا   اَجْرًا عَظِیْمًا

احسان کرنے کی توفیق   قبول ہونے والی توبہ   صبر جمیل   بہترین اجر

لِسَانًا ذَاکِرًا   بَدَنًا صَابِرًا   رِزْقًا وَاسِعًا   سَعْیًا مَشْکُوْرًا

ذکر کرنے کی توفیق   صبر کرنے والا بدن   کشادہ رزق   بارور ہونے والی کوشش

ذَنْبًا مَغْفُوْرًا   عَمَلًا مَقْبُوْلًا   دُعَاءً مُسْتَجَابًا   لِقَاءً اَنْصِیْبًا

گناہ ہو بھی تو قابل بخشش   قبول ہونے والا عمل   قبول ہونے والی دعا   قسمت میں دیدار الٰہی

جَنَّتًا فِرْدَوْسًا   نَعِیْمًا مُقِیْمًا   بِرَحْمَتِکَ   یَا الرَّاحِمِیْنَ

اَرْحَمَ

جنت فردوس   جنت نعیم میں قیام   یہ سب تیری رحمت سے   یا ارحم الرحمین

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلٰے الْمُرْسَلِیْنَ

پاک ہے تیرا رب صاحب عزت جس کی توصیف کی جاتی ہے اور سلام ہے تمام رسولوں پر

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔

اور تعریف سزاوار ہے اس کو جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔

(دعا حبیب اللہ درانی صاحب والد بابا عبید اللہ درانیؒ صاحب)